قانونِ
توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نفاذ سے اطلاق تک



تالیف
محمد احمد ترازی

شعبہ نشر و اشاعت
فدائیانِ ختمِ نبوۃ پاکستان کراچی

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفلِ ایام را
او رُسُل را ختم کرد ما اقوام را

خدمتِ ساقی گری باما گذاشت
داد مارا آخریں جامے که داشت

لانبی بعدی زاحسان خدا است
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفی ﷺ است

قوم را سرمایۂ قوت ازو
حفظِ سر وحدت ملت ازو

ترجمہ

خدا نے ہم پر شریعت ختم کی اور ہمارے رسول پر رسالت ختم کی۔ ہمارے دم قدم سے جہان میں رونق ہے۔ آپ نے رسولوں کو ختم کیا اور ہم نے قوموں کو۔ ساقی گری کی خدمت اس نے ہمارے سپرد کی۔ اور جو آخری جام تھا ہمیں دے دیا۔ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا (حدیث) خدا کے احسانات میں سے ایک ہے اور اس سے دینِ مصطفےٰ کی عزت کا بھرم قائم ہے۔ اسی سے قوم کو قوت کی دولت ملی اور ملت کی یگانگت کا راز بھی یہی ہے۔

آج تک قانون توہین رسالت C-295 کے
تحت کسی بھی سزا یافتہ مجرم کو تختہ دار پر نہیں لٹکایا گیا

قانون توہین رسالت ﷺ

نفاذ سے اطلاق تک

تحریر: محمد احمد ترازی

شعبہ نشر و اشاعت

فدائیان ختم نبوت پاکستان (کراچی)

برائے خط و کتابت: پوسٹ بکس نمبر 17650 کراچی 75300

www.khatm-e-nabuwwat.com

نام کتاب	:	قانون توہین رسالت ﷺ نفاذ سے اطلاق تک
مصنف	:	محمد احمد ترازی
تعداد	:	1100
سن اشاعت	:	ستمبر 2016ء
صفحات	:	32
ہدیہ	:	30

ملنے کے پتے

فدایانِ ختم نبوت ﷺ پاکستان

Website: www.khatm-e-nabuwwat.com
E-mail: shaikh_imranulhaq@hotmail.com
0333-2281726, 0312-2281726

- جامع مسجد مدنی بلاک 5 گلشن اقبال کراچی
- جامعہ نضرۃ العلوم شومارکیٹ کراچی
- ضیاء القرآن پبلی کیشنز انفال سینٹر اردو بازار، کراچی
- مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی
- مکتبہ برکات المدینہ بہار شریعت مسجد بہادر آباد کراچی
- مکتبہ قادریہ نزد فیضان مدینہ مین روڈ پرانی سبزی منڈی کراچی
- اسلامیہ بک سینٹر نزد مقدس مسجد اردو بازار، کراچی
- مکتبہ غوثیہ، ہول سیل کراچی
- جامع مسجد قباء، سیکٹر 5/G نیو کراچی

حافظ محمد حسن انصاری 0322-2402692

چراغ سے چراغ

محمد احمد ترازی صاحب کا لکھا ہوا مسودہ قانونِ توہینِ رسالت ﷺ نفاذ سے اطلاق تک شیخ عمران الحق صاحب نے دیا اور اس حوالے سے کچھ کلمات قلمبند کرنے کا حکم دیا۔ محترم محمد احمد ترازی صاحب کا وسیع مطالعہ ہے اور لکھنے لکھانے کا شوق بھی رکھتے ہیں ترازی صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں اُن میں یہ خوبی باقی صفات پر حاوی ہے کہ اُن کی تحریر بامقصد ہونے کے ساتھ اسلام کے غلبے اور محبتِ رسول ﷺ سے لبریز ہوتی ہے۔ موصوف کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہرت اور دولت کے خواستگار نہیں بلکہ اُمت مصطفیٰ کی تعلیم وتربیت کے خواہش مند ہیں موصوف دردِ دل رکھنے والے بے لوث مجاہدِ اسلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں مزید توفیق اور اسباب وذرائع میں وسعت عطا فرمائے۔

شیخ عمران الحق صاحب ناظم اعلیٰ فدائیان ختم نبوت پاکستان (کراچی) کی خدمات بھی کم نہیں ہیں دن رات مشنری کے طور پر ختم نبوت کے عقیدے کو فروغ دینے میں صرف کرتے ہیں۔ خود ہی وسائل بھی مہیا کرتے ہیں اور اس راہ میں لکھنے والوں کی بھرپور حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت اُنہیں مزید شوق اور ہمت عطا فرمائے۔

رسالہ کا موضوع اور اُس میں موجود تحقیقی مواد بڑی اہمیت کا حامل ہے ایک ایسے وقت میں جبکہ لبرل وسیکولرازم اور نہ جانے کیسے کیسے نظریات اُبھر رہے ہیں الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا کے ذریعے آئے دن نت نئے نظریات متعارف کروائے جارہے ہیں نیز ان باطل ولادین نظریات کے فروغ واشاعت میں خطیر رقم بھی خرچ کی جاتی ہے۔ ان نظریات کی حامل قوتوں کی تمام تر کوششوں کا ایک ہی مقصد ہے کہ پاکستان کا نظریاتی تشخص ختم کیا جائے اور قانونِ توہینِ رسالت کو ختم کرایا جائے۔ جس طرح کُتب سماوی (الہامی کتابوں) میں تحریف کر کے رسول اللہ ﷺ کی عظمتوں اور محبتوں کو کم کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی۔ ویسے ہی دُنیائے اسلام سے رسول اللہ ﷺ کے مقام ومرتبے کو کم کرنے بلکہ ختم کرنے کے

لیے مغربی دنیا کے نام نہاد دانشوروں نے وسائل کا بڑا حصہ اس کام پر لگانا شروع کر دیا ہے اور جو بھی رسول اللہ ﷺ کے خلاف یا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہوتا ہے اُسے مغربی دنیا میں پناہ بھی دی جاتی ہے اور زندگی بھر تمام ضروریات بھی پوری کی جاتی ہیں لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود باطل طاقتوں کیلئے پیغام ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ ہے خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ہم باہر کی دنیا کا کیا رونا روئیں ہمارے اپنے ملک میں کچھ لوگ بیرونی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے کبھی کہتے ہیں مذہبی امتیاز کو ختم کیا جائے، کبھی کہتے ہیں کہ ریاست کو کسی کو کافر کہنے کا اختیار کیوں ہے اور اب یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ آئین میں صدرِ پاکستان کے مسلمان ہونے کی جو شرط ہے اس پر نظرِ ثانی کی جائے۔ ہمارے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ یہ باتیں عام ہونے لگی ہیں اور اسمبلی و میڈیا میں ایسی باتیں کی جاتی ہیں۔ شاید یہ قوتیں دیکھنا چاہتی ہیں کہ قوم میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی، مولانا عبدالستار خان نیازی، علامہ خلیل احمد قادری و دیگر بزرگانِ دین کا نظریہ وفکر اور 70 کی دہائی والا جذبہ لوگوں میں موجود ہے یا نہیں اور اگر محبت رسول کا جذبہ سرد پڑ گیا ہے تو وہ قوتیں اس ملک کا اسلامی نظریاتی تشخص ختم کر کے اسے مادر پدر آزاد معاشرے میں تبدیل کر دیں۔ پنجاب میں خواتین بل اس کی بڑی دلیل ہے پھر ستم بالائے ستم اسلام پر یہ کہ اسلامی نظریاتی کونسل قوانین تو بنا دیتی ہے لیکن اُس کی سفارشات پر عمل نہیں کیا جاتا۔

یہ پروپیگنڈہ بھی کیا جاتا ہے کہ قانونِ توہین رسالت غلط استعمال ہوتا ہے لوگ انتقامی کاروائی کرتے ہیں۔ کسی قانون کے غلط استعمال کو روکا جا سکتا ہے نہ کہ قانون کو ختم کر دیا جائے۔ پاکستان میں رائج کئی قوانین موجود ہیں جن کا غلط استعمال کیا جاتا ہے اور ان میں ابہام بھی ہے اس طرح کا سقم بھی پایا جاتا ہے۔ جس کی تشریح و تعبیر نہیں ہوتی اور لوگوں کو نقصان ہوتا ہے۔

محمد احمد ترازی صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے کہ آج تک کسی گستاخ رسول ﷺ کو سزا نہیں دی گئی اگر ایسا ہو جاتا تو کسی اور کو گستاخی کی جسارت نہ ہوتی کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے کہ دو طرح کے افراد کو سزا سنائی جاتی ہے ایک کو سزا ہوتی ہے اور دوسرے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ حضرت ممتاز قادری رحمۃ اللہ علیہ اور آسیہ مسیح کا کیس ہمارے سامنے موجود ہے۔

محمد احمد ترازی شیخ عمران الحق صاحب کی شخصیت نئی نسل کے لئے شمع کی حیثیت رکھتی ہے کاش لوگ اس کا مطالعہ کریں۔ نئی نسل کو ان فتنوں سے آگاہی دلائیں اور ان کے سدباب کی کوشش کریں۔

ہمارے ملک اور معاشرے میں طبقاتی نظام تعلیم کو تقویت مل رہی ہے اسی طرح عملی طور پر معاشرہ بھی تقسیم ہو کر رہ گیا ہے جو لوگ اقتدار کے ایوانوں تک جاتے ہیں۔ وہ ایسے نصابِ تعلیم و تربیت کے پروردہ ہوتے ہیں جن کے نزدیک مذہب کوئی حیثیت و اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ مذہب کو انفرادی زندگی کا ایک پہلو سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک نماز پڑھ لینا، حج و زکوٰۃ کو ادا کر دینا نکاح، جنازہ و چند رسومات ہی اسلام ہے اور وہ مسجد و محراب یا گھر تک ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

یعنی گھر سے مکتب تک اور مکتب سے معاشرے اور نظام حکومت تک اسلام کی بالادستی ہونی چاہئے۔ اسلام کے قانون مساوات و عدل پر تو دلائل دیے جاتے ہیں لیکن قانون توہین رسالت ﷺ پر اعتراض ہوتا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

محمد جہانگیر خان صدیقی
امیر فدائیانِ ختم نبوت پاکستان (کراچی)

قانون توہین رسالتﷺ نفاذ سے اطلاق تک

قانون کا پس منظر

یہ 1983ء کی بات ہے جب ''مشتاق راج'' نامی ایک کمیونسٹ کی '' آفاقی اشتمالیت'' (Heavenly Communism) نامی کتاب پاکستان میں مفت تقسیم کی گئی۔ اِس رسوائے زمانہ کتاب میں حضور ختمی مرتبتﷺ کی شان میں ہی گستاخی نہیں کی گئی بلکہ اللہ ﷻ کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر نہایت گھٹیا اور سوقیانہ حملوں کے ساتھ تمام مذاہب وادیان کا مذاق اڑایا گیا۔

اِس کتاب میں دینی پیشواؤں کو''مذہبی شیطان'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ چنانچہ ملک اور بیرون ملک کے علمائے کرام نے مشتاق راج کو شاتم رسول قرار دے کر واجب القتل ہونے کے فتوے دیئے اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ اِس ناپاک کتاب کو فوری طور پر ضبط کرتے ہوئے بلا کسی تاخیر ملک میں توہین رسالتﷺ کا قانون بنا کر نافذ العمل کرے تا کہ آئندہ کسی بدبخت کو اہانت رسولﷺ کی جرأت نہ ہو سکے۔

اِس گستاخانہ کتاب کے مندرجات سے عوام الناس اور دینی طبقے میں غم وغصے اور بے چینی کا پیدا ہونا ایک فطری اَمر تھا۔ عوام کے مشتعل جذبات کو دیکھتے ہوئے مشتاق راج کو حکومت نے زیر دفعہ ''295-A'' کے تحت گرفتار کر لیا۔ اُس وقت تعزیرات پاکستان میں توہین رسالتﷺ جیسے سنگین اور انتہائی دل آزار جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی۔

چنانچہ تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام، وکلاء، مذہبی وسیاسی قائدین اور عوام الناس کے قانون سازی کے مطالبے کے پیش نظر اسلامی نظریاتی کونسل نے اِس

معاملے کا نوٹس لیا اور شیخ غیاث محمد سابق اٹارنی جنرل کی تحریک پر حکومت سے سفارش کی گئی کہ توہین رسالت ﷺ اور ارتداد کی سزا ''سزائے موت'' مقرر کی جائے، مگر حکومت نے اِس نازک مسئلے کو لائق توجہ نہ سمجھا۔

لہٰذا اِس صورتحال کو دیکھتے ہوئے ملک کے ممتاز قانون دان محمد اسمٰعیل قریشی ایڈوکیٹ نے اُس وقت کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور چاروں صوبوں کے گورنروں کے خلاف آئین کی دفعہ 203 کے تحت ایک شریعت پٹیشن نمبر L/1,1984 دائر کی۔ جس کی کارروائی شروع ہوئی اور فریقین کے دلائل کی سماعت کے بعد وفاقی شرعی عدالت نے اپنا فیصلہ محفوظ کرلیا۔ ابھی اِس پٹیشن کا فیصلہ نہیں آیا تھا کہ اسی اثناء میں ایک اور سنگین واقعہ رونما ہوا۔

ماہ جولائی 1984ء میں خاتون وکیل عاصمہ جہانگیر نے اسلام آباد میں منعقدہ ایک سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے معلم انسانیت حضور ختمی مرتبت ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کیے جو سامعین اور اُمت مسلمہ کی دل آزاری کا باعث بنے۔ جس پر سیمنار میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ یہ خبر جب قومی اخبارات میں شائع ہوئی تو چار جانب سے پُرزور مذمت کے ساتھ حکومت سے شدت سے مطالبہ کیا جانے لگا کہ وہ فوری طور پر شاتم رسول ﷺ کے بارے میں سزائے موت کا قانون منظور کرے، ساتھ ہی فیڈرل شریعت کورٹ سے بھی درخواست کی گئی کہ وہ شریعت پٹیشن پر اپنا فیصلہ صادر کرے۔

دوسری جانب قومی اسمبلی میں جذبہ ایمانی سے سرشار محترمہ آپا نثار فاطمہ نے عاصمہ جہانگیر کی دل آزار گستاخانہ تقریر کا سخت نوٹس لیا اور تعزیرات پاکستان میں ایک نئی دفعہ ''C-295'' کے اضافے کا بل جس میں شاتم رسول ﷺ کی سزا ''سزائے موت'' تجویز کی گئی تھی، قومی اسمبلی میں پیش کیا۔ اِس بل کی حمایت میں اُس وقت اسمبلی میں موجود شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، علامہ سید شاہ تراب الحق قادری، حاجی محمد حنیف طیب، مولانا محمد علی رضوی، محمد عثمان خان نوری، میر نواز خان مروت اور آپا قمر

النساء قمر صاحبہ و دیگر اراکین نے کلیدی کردار ادا کیا۔ تمام مکاتب فکر کے علماء اور عوام الناس کے متفقہ مطالبے کے پیش نظر حکومت وقت کو یہ جرأت تو نہ ہو سکی وہ اس مطالبے کی مکمل مخالفت کر سکے۔

البتہ وزارت قانون کی طرف سے اس بل میں یہ ترمیم کی گئی کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا ''سزائے موت یا عمر قید'' ہو گی اور اس طرح تعزیرات پاکستان میں دفعہ 295-C یعنی ''جو کوئی عمداً زبانی یا تحریری طور پر بطور طعنہ زنی یا بہتان تراشی بالواسطہ یا بلاواسطہ اشارتاً یا ''کنایتاً'' نام محمد ﷺ کی توہین یا تنقیص یا بے حرمتی کرے وہ سزائے موت یا سزائے عمر قید کا مستوجب ہو گا اور اُسے سزائے جرمانہ بھی دی جائے گی۔'' کا اضافہ کر دیا گیا۔

لیکن چونکہ علمائے کرام، سیاسی و مذہبی قائدین، وکلاء، عوام اور خود بل کی محرک آپا نثار فاطمہ شاتم رسول ﷺ کی سزا میں عمر قید کے اضافے سے مطمئن نہیں تھیں۔ لہٰذا فیڈرل شریعت کورٹ میں اس دفعہ کو اس بناء پر چیلنج کر دیا گیا کہ ''توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہے۔ جس میں کمی یا اضافے کا اختیار کسی کو بھی نہیں۔ یہ ایک ناقابل معافی جرم ہے۔'' چنانچہ یکم اپریل 1987ء کو مقدمہ کی باقاعدہ سماعت شروع ہوئی۔

جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء، وکلاء اسکالرز اور حکومتی نمائندوں نے اپنا اپنا موقف پیش کیا۔ جس کے نتیجے میں 30، اکتوبر 1990ء کو فیڈرل شریعت کورٹ نے ''توہین رسالت ﷺ کی متبادل سزا عمر قید کو غیر اسلامی اور قرآن وسنت کے منافی قرار دیتے ہوئے حکومت پاکستان کو حکم دیا کہ وہ 30، اپریل 1991ء تک عمر قید کی سزا کو دفعہ 295-C سے حذف کرے۔

اس فیصلے کے خلاف اُس وقت کی اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت جو ملک میں نفاذ اسلام اور قرآن وسنت کی بالادستی کا منشور لے کر برسر اقتدار آئی تھی، نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جو بعد میں حکومتی وزیر اعظم کے کہنے پر واپس لے لی گئی۔ یوں بوجہ دستبرداری سپریم کورٹ سے یہ اپیل خارج ہو گئی اور 30، اپریل 1991ء سے ملک میں

شاتم رسول ﷺ کی سزا ''سزائے موت'' کا قانون مکمل طور پر نافذ ہوگیا۔

قانون توہین رسالت ﷺ کے چند اہم مقدمات

قارئین محترم! اس قانون کے نفاذ کے بعد سے اب تک شاتمان رسول ﷺ کے خلاف کئی سو مقدمات درج ہوئے۔ ذیل میں ہم چند اہم مقدمات کا مختصراً جائزہ پیش کررہے ہیں۔ جس سے ہمیں اس قانون کے نفاذ سے عملی اطلاق تک کا جائزہ لینے میں آسانی ہوگی۔

قانون توہین رسالت کا سب سے پہلا مجرم

تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-C کے تحت سب سے پہلا مقدمہ جس کا فیصلہ 2 نومبر 1992ء کو ایڈیشنل سیشن جج سرگودھا جناب طالب حسین بلوچ نے ''سزائے موت'' سنایا، 13 دسمبر 1991ء کو تھانہ سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا میں، سرگودھا کے ایک نواحی گاؤں چک نمبر 46 شمالی کے رہائشی ''گل مسیح'' کے خلاف درج ہوا تھا۔ جس نے 10 دسمبر 1991ء کو نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ جملے ادا کیے تھے۔

واقعات کے مطابق مدعی مقدمہ ساجد حسین اور ملزم گل مسیح ایک ہی محلہ میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ گل مسیح کے گھر کے باہر کافی پانی جمع ہوگیا، جس پر ساجد حسین نے گل مسیح سے اس کی بابت پوچھا تو گل مسیح نے کہا کہ پانی کی ٹونٹی خراب ہے، جس کی وجہ سے پانی باہر گلی میں آرہا ہے۔ اس پر ساجد حسین نے کہا کہ کسی پلمبر کو بلا کر ٹونٹی ٹھیک کروالیں۔

چنانچہ پلمبر آیا اور ٹونٹی ٹھیک کر کے چلا گیا۔ ایک دن بعد ساجد حسین نے دیکھا پانی مسلسل گل مسیح کے گھر کے باہر گلی میں آرہا ہے۔ اُس نے اس بارے میں پھر استفسار کیا جس پر گل مسیح نے کہا کہ اُس نے پلمبر کو بلوایا تھا۔ اُس نے 35 روپے بھی لیے اور ٹونٹی بھی پوری طرح ٹھیک نہیں کی۔ پھر اُس نے پلمبر سمیت تمام مسلمانوں کو برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ اُس نے دین اسلام اور حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ

ادا کرنے شروع کردیئے۔ ممکن ہے کہ مسلمان پلمبر نے ٹونٹی کو صحیح طریقے سے درست نہ کیا ہو اور پیسے پورے لے کر بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ایک مسلمان کی غلطی سے کوئی شخص تمام مسلمانوں اور اُن کی مقدس ترین ہستیوں کو برا بھلا کہنا شروع کردے۔

چنانچہ گل مسیح کی اس ناپاک جسارت پر مدعی ساجد حسین نے اُس کے خلاف مقدمہ درج کروادیا۔ اِس مقدمہ میں ملزم کو عدالت میں صفائی کا پورا پورا موقع فراہم کیا گیا۔ تقریباً ایک سال تک اِس مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ جب گل مسیح کے خلاف رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی شان میں غلیظ زبان استعمال کرنے اور اُن کی ذات پاک پر کیچڑ اچھالنے کا جرم ثابت ہوگیا تو 2 نومبر 1992ء کو ایڈیشنل سیشن جج سرگودھا جناب طالب حسین بلوچ نے شاتم رسول گل مسیح کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ C-295 کے تحت "سزائے موت اور پانچ لاکھ روپے جرمانے" کا حکم سنایا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب سے تعزیرات پاکستان میں گستاخ رسول کیلئے سزائے موت مقرر کی گئی ہے۔ اُس کے بعد سے ملک بھر میں یہ پہلا مقدمہ تھا جس میں کسی شاتم رسول کو عدالت عالیہ سے "سزائے موت" کا حکم سنایا گیا تھا۔

سزا کے خلاف عالمی پروپیگنڈا مہم

ماتحت عدلیہ کے اس فیصلے کے خلاف عیسائیوں نے پوری دنیا میں احتجاج کیا اور پاکستان میں مغربی سفارت کار شاتم رسول گل مسیح کی حمایت میں کھل کر سامنے آئے۔ دوسری جانب بین الاقوامی طور پر پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا نے بھی انسانی حقوق کے نام پر پروپیگنڈا مہم جاری رکھی اور بالآخر وہی ہوا جس کا ڈر اور امکان تھا۔

نومبر 1994ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس فلک شیر اور جسٹس راؤ نعیم ہاشم پر مشتمل ڈویژن بینچ نے توہین رسالت ﷺ کے مقدمہ میں ملوث گل مسیح کی سزا کو مستند اور ناقابل تردید شہادتوں کے باوجود اس بنیاد پر کالعدم قرار دے دیا کہ "مجرم ڈیڑھ گھنٹے تک

توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کرتا رہا اور اُس کے خلاف کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا۔ لہٰذا مجرم سزائے موت کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا۔'' یوں گل مسیح کو بری کردیا گیا اور 3 جنوری 1994ء کو وہ حکومتی پروٹوکول میں جرمنی روانہ ہوگیا جہاں اُسے سیاسی پناہ کے ساتھ ساتھ اعلیٰ مراعات سے بھی نوازا گیا۔

رحمت مسیح اور سلامت مسیح کیس

اسی طرح گوجرانوالہ کا مشہور زمانہ توہین رسالت ﷺ کیس ہے۔ اس کیس کا اہم ملزم رحمت مسیح ولد نانک مسیح جو سابق رکن صوبائی اسمبلی اعظم چیمہ کے داماد اشرف دوہتڑ کے ہاں نوکر تھا، نے تھانہ کوٹ لدھا کے گاؤں پھوکر پور میں مسلمانوں کی مسجد کے عین سامنے چرچ قائم کرکے تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں۔ گاؤں والے رحمت کے عیسائی ہونے کے باوجود اُس کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے تھے۔ لیکن یہ بدطینت انسان ہمیشہ فتنہ پرور ذہنیت کا مظاہرہ کرتا تھا۔ ممکن ہے اُسے عیسائیت کے خفیہ اسلام دشمن مشنوں کی مکمل سپورٹ اور پشت پناہی حاصل ہو کیونکہ وہ گاؤں میں عیسائی مشن کا سربراہ تھا اور دوسرے افراد کی نسبت عیسائیت پر بھرپور معلومات رکھتا تھا۔

ملزم رحمت مسیح نماز فجر کے وقت گرجا گھر کی گھنٹی زور زور سے بجاتا اور اس کے ساتھ ہی لاؤڈ اسپیکر پر اونچی آواز میں عیسائی تعلیمات پر مبنی گیت گاتے، جس سے مسجد میں مصروفِ عبادت مسلمانوں کو اکثر پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ بعض اوقات لاؤڈ اسپیکر پر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا اور دوران تبلیغ حضور اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرتا، قرآن کا مذاق اڑاتا اور مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے کی دعوت بھی دیتا تھا۔

کئی دفعہ رحمت مسیح کو گاؤں کے سرکردہ لوگوں نے پیار سے سمجھایا، مگر وہ باز نہ آیا۔ معاملہ شدت اختیار کرگیا، لڑائی جھگڑے بھی ہوئے اور ایک دفعہ گاؤں کے معززین کے ہمراہ تھانہ میں صلح بھی ہوئی۔ دوسری بار بات علاقہ مجسٹریٹ تک پہنچی، جہاں 7 جولائی 1992ء کو رحمت مسیح کی تحریری معذرت پر معاملہ نمٹا دیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد رحمت مسیح

نے پھر شرارتیں شروع کر دیں اور ایک عیسائی نوجوان سلامت مسیح کے ساتھ مل کر اپنی بد طینت اور فتنہ پرور ذہنیت کا مظاہرہ جاری رکھا۔

چنانچہ 11 مئی 1993ء کو کوٹ لدھا تحصیل گوجرانوالہ پولیس اسٹیشن میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ C-295 اور A-298 کے تحت رحمت مسیح اور اُس کے ساتھی سلامت مسیح کے خلاف مقدمہ درج ہوا۔ اِس مقدمے میں ایڈیشنل سیشن جج لاہور جناب مجاہد حسین صاحب نے 9 فروری 1995ء کو جرم ثابت ہونے پر ملزمان کو قانون کے مطابق سزا سنائی۔ سزا کا سنانا تھا کہ نام نہاد حقوق انسانی کی تنظیمیں اور میڈیا ملزمان کے دفاع میں پورے لاؤ لشکر کے ساتھ میدان میں آ گیا۔

بے نظیر بھٹو کا اظہارِ غم اور ترمیم کا عندیہ

اُن دنوں وزیر اعظم پاکستان بے نظیر بھٹو جو امریکہ کے دورے پر جا رہی تھیں نے اِس مسئلہ پر نہایت غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ”توہین رسالت ﷺ کے مجرموں کو سزا دینے کے فیصلہ پر وہ ذاتی طور پر ناخوش ہیں اور عدالت کے فیصلے پر انہیں حیرت بھی ہوئی ہے اور دکھ بھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ توہین رسالت ﷺ کے قانون میں ترمیم کرنا چاہتی ہیں۔“ چنانچہ بے نظیر بھٹو کی خواہش پر حکومت نے ملزمان کی طرف سے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی اور لاہور ہائی کورٹ میں اِس کیس کی سماعت ایڈہاک بنیادوں پر بھرتی کیے گئے جسٹس عارف اقبال بھٹی اور جسٹس چودھری خورشید احمد نے کی۔

اِن دونوں ججوں کا تعلق پیپلز پارٹی سے تھا اور وہ اس کے سرگرم رہنما رہ چکے تھے۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس الیاس نے انہیں ایک خاص منصوبے کے تحت اِس کیس کی سماعت کیلئے نامزد کیا تھا۔ دینی حلقوں نے شدت کے ساتھ مطالبہ کیا کہ مذکورہ ججوں کو اِس کیس کی سماعت سے روکا جائے اور غیر جانبدار اچھی شہرت کے حامل سینئر ججوں پر مشتمل فل بینچ تشکیل دیا جائے، مگر حکومت نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا اور مذکورہ ججوں کو حکومت کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ وہ ہر صورت میں ملزمان کو بری کریں۔

تیز ترین سماعت، رہائی اور بیرون ملک روانگی

عدلیہ کی تاریخ میں اس بات کی مثال نہیں ملتی کہ نہ صرف اس کیس کی تیز ترین سماعت کی گئی بلکہ تماشا یہ ہوا کہ استغاثہ کے وکلاء کو سنا تک نہیں گیا۔ محض چند دنوں کی اندھا دھند سماعت کے بعد مجرمین توہین رسالت کو باعزت بری کر دیا گیا اور حکومت نے ملزمان کو وی آئی پی کا درجہ دے کر پورے پروٹوکول کے ساتھ بیرون ملک روانہ کر دیا۔ جس سے تمام گستاخان رسول ﷺ کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہوئی بلکہ اس ناپاک کام کی مزید شہ بھی ملی۔ اس کیس کی قابل افسوس اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ کیس کی سماعت کے دوران مغربی ممالک کے نمائندہ افراد، صحافی، بشپ، حقوق انسانی کے رہنما، سیکولر اور عیسائی مذہبی و سیاسی رہنما عدالت کے اندر اور باہر بے حد متحرک رہے، لیکن مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی رہنما صرف اخبارات میں محض خالی بیان دینے تک محدود رہے۔

اصغر کذاب کیس

اصغر کذاب کا کیس بھی اسی نوعیت کا ہے۔ اُس کا تعلق برطانیہ کے شہر ایڈنبرگ سکاٹ لینڈ سے تھا اور اُس نے چند سال پہلے راولپنڈی میں رہائش اختیار کی تھی۔ تفصیلات کے مطابق ستمبر 2010ء میں راولپنڈی کے پوش ایریا گلزار قائد سے ملحق ایئرپورٹ سوسائٹی کے رہائشی برطانوی نژاد اصغر نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس سلسلے میں اُس نے باقاعدہ وزیٹنگ کارڈ اور لیٹر ہیڈ چھپوا رکھے تھے، جو سادہ لوح مسلمانوں میں تقسیم کرتا اور انہیں اپنی تعلیمات کی دعوت دینے کیلئے استعمال کرتا تھا۔ ملعون اصغر کی اس ناپاک جسارت پر علاقہ بھر کے مسلمانوں میں شدید اشتعال پھیلا اور مدعی مقدمہ ملک محمد حفیظ اعوان نے ملزم کے خلاف اندراج مقدمہ کی درخواست دی۔

چنانچہ 22 ستمبر 2010ء کو تھانہ صادق آباد ایئرپورٹ ہاؤسنگ سوسائٹی پولیس چوکی نے ملزم کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ C-295 اور ایف آئی آر نمبر 842/10 کے تحت باقاعدہ مقدمہ درج کر کے اُسے گرفتار کر لیا۔ دوران تفتیش ملزم نے

اعتراف کیا کہ وہ اللہ کا نبی اور رسول (نعوذ باللہ) ہے۔ اُس کا یہ بھی کہنا تھا کہ راولپنڈی اور اُس کے مضافات میں "لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے جتنے بھی سائن بورڈ لگے ہوئے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ نے اُس کیلئے بنوائے اور لگوائے ہیں۔ پولیس نے ملزم کے اس اعترافی بیان کی باقاعدہ وڈیو بنوائی تاکہ وہ عدالت میں اپنے بیان سے منحرف نہ ہو سکے اور چالان مکمل کر کے اُسے اڈیالہ جیل بھجوا دیا۔

۱۷

اسلام دشمن قوتوں کے منفی ہتھکنڈے

اس کیس کی سماعت کے دوران جج صاحب کو نفسیاتی طور پر مرعوب کرنے کیلئے ملزم کے وکیل اور اسلام دشمن قوتوں کے ایجنڈے پر کام کرنے والی این جی اوز نے کئی منفی ہتھکنڈے آزمائے۔ عدالت میں ملزم کی طرف سے یہ موقف بھی اختیار کیا گیا کہ وہ پاگل پن کی بیماری Paranoid Schizoprenia کا مریض ہے۔ چنانچہ جج صاحب نے ملزم کے دماغی معائنے کیلئے ماہر ڈاکٹروں پر مشتمل ایک میڈیکل بورڈ تشکیل دینے کا حکم دیا۔ میڈیکل بورڈ نے ملزم کا دماغی معائنہ اور ٹیسٹ کے بعد اُس کی دماغی حالت تسلی بخش قرار دیتے ہوئے اُسے صحت مند نارمل شخص قرار دیا۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ ملزم کی روزمرہ زندگی میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا تھا جس سے اُس کا پاگل پن ثابت ہو، لیکن جب شانِ رسالت ﷺ میں توہین کا مقدمہ درج ہوتا ہے تو ایسے ملزم کو پاگل پن کی بیماری کا شکار قرار دے کر اُسے بچانے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ اس کیس کی تفتیش ایک ایماندارانہ شہرت کے حامل پولیس افسر نے کی اور ملزم اصغر کو توہین رسالت ﷺ کا مرتکب قرار دیا۔

ملزم کا اعتراف جرم اور کم سے کم سزا کی استدعا

22 جنوری 2014ء کو ملزم نے عدالت کے روبرو اپنے نبی ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے جج سے درخواست کی کہ اُسے اعتراف جرم کرنے پر کم سے کم سزا سنائی جائے۔ جج صاحب نے ملزم سے دریافت کیا کہ وہ یہ بات ہوش و حواس میں کہہ رہا

ہے، ملزم نے جواباً کہا "جی سر! میں یہ سب سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔" اس پر جج صاحب نے ملزم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنا اعترافی بیان کاغذ پر تحریر کر کے اُس پر اپنے دستخط بھی ثبت کر دے۔ جج صاحب نے ملزم کے وکیل کو گواہ بناتے ہوئے اُس کے بھی دستخط اُس بیان پر کروا لیے۔ بعدازاں جج صاحب نے رائٹنگ ایکسپرٹ سے اِن کے دستخط کے اصل ہونے کا سرٹیفکیٹ لیا اور فریقین کے وکلاء کی بحث مکمل ہونے اور دیگر قانونی تقاضے پورے کرنے کے بعد 23 جنوری 2014ء کو اُسے C-295 کے تحت مجرم قرار دیتے ہوئے "سزائے موت" کا حکم سنایا۔

13

ہائی کورٹ میں اپیل اور تاخیری حربے

چند روز کے بعد ملزم کی جانب سے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی اور ملزم کے وکلاء کی جانب سے تاخیری حربوں کے سبب اِس کیس کی سماعت تقریباً تین سال تک ہوتی رہی۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران ملزم اور اُس کے سرپرستوں کی طرف سے کیس پر اثر انداز ہونے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ ہر پیشی پر برطانوی ہائی کمیشن کی طرف سے اسلام بیزار، ماڈریٹ اور بااثر خواتین کی ایک کثیر تعداد عدالت میں موجود ہوتی اور مقدمہ کی سماعت میں بلاوجہ رکاوٹ ڈالتی۔ یہاں تک کہ 23 نومبر 2012ء کو برطانوی ہائی کمیشن نے کیس میں براہ راست مداخلت کرتے ہوئے ملزم کی رہائی کیلئے لاہور ہائی کورٹ کے ایک معزز جج کو خط لکھا جسے فاضل جج نے کیس کا حصہ بناتے ہوئے سیشن جج کو کوئی دباؤ قبول کیے بغیر سماعت جاری رکھنے کا حکم دیا۔

برطانوی وزیر اعظم اور دفتر خارجہ کی بے جا مداخلت

ادھر حقوق انسانی کی عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اصغر کذاب کو ضمیر کا قیدی قرار دے کر حکومت پاکستان سے اُس کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کیا۔ انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار اور انصار برنی ٹرسٹ کے چیئرمین انصار برنی ایڈووکیٹ بھی برطانوی حکام کے ساتھ مل کر ملزم کی رہائی کیلئے متحرک ہو چکے تھے۔ دوسری جانب برطانوی دفتر خارجہ کی سینئر

وزیر سعیدہ وارثی کا کہنا تھا کہ ہم اصغر کی رہائی کیلئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔

خود برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے پارلیمنٹ کو یقین دلایا کہ سزائے موت کے مرتکب برطانوی شہری اصغر کو ہر حال میں برطانیہ واپس لایا جائے گا۔ ادھر مغرب میں ملزم کی رہائی اور قانون توہین رسالت ﷺ ختم کرنے کیلئے ایک دستخطی مہم چلائی گئی جس پر دس ہزار افراد نے دستخط کیے۔ یہ یادداشت امریکی صدر بارک اوباما سمیت دنیا بھر کے بااثر افراد کو بھجوائی گئی۔

25 فروری 2014ء کو برطانوی ہائی کمیشن کے اعلیٰ عہدیداروں کی اڈیالہ جیل میں ملزم سے ملاقات نے ملزم کے حوصلے اور بھی بلند کر دیئے۔ برطانوی سفارتکاروں نے ملزم کو یقین دلایا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اُسے سزا نہیں دے سکتی۔ چنانچہ اُس نے اپنے آقاؤں کی شہ پا کر جیل میں علی الاعلان اپنے نبوت کی تبلیغ شروع کر دی، جس سے قیدیوں اور سیکورٹی اسٹاف میں اشتعال پیدا ہو گیا اور 26 ستمبر 2014ء مذہبی جذبات سے مغلوب ہو کر ایک کانسٹیبل محمد یوسف نے ملزم کو کیفر کردار تک پہنچانے کی کوشش کی مگر وہ معمولی زخمی ہوا اور بال بال بچ گیا۔ اس وقت اصغر کذاب پورے وی آئی پی پروٹوکول کے ساتھ جیل میں ہے اور اُسے ٹی وی، اخبارات، انٹرنیٹ اور موبائل سمیت کسی بھی ہوٹل سے اپنی مرضی کا کھانا منگوانے کی مکمل سہولتیں حاصل ہیں۔

اربابِ اقتدار اور اراکین پارلیمنٹ کی معنی خیز بے حسی

اصغر کذاب کیس کی پوری ہسٹری اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام دشمن مغربی طاقتیں اپنے پروردہ گستاخوں کو بچانے کیلئے کیسے کیسے حیلے بہانے تراشتی ہیں اور کس طرح ہمارے عدالتی نظام پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتی ہیں۔ دوسری جانب اِس بات کا تذکرہ بھی بہت ضروری ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے سلسلے میں ہمارے اربابِ اقتدار اور اراکین پارلیمنٹ کی بے حسی اور لاپروائی کسی مجرمانہ غفلت سے کم نہیں۔

اِن ارکان پارلیمنٹ کا اگر اپنا معمولی سے استحقاق مجروح ہو جائے تو یہ پارلیمنٹ میں آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں مگر جب بات حضور خاتم النبیین ﷺ کے عظیم استحقاق اور عزت و ناموس کی آتی ہے تو ان کی بے حسی، مصلحت پسندی اور معنی خیز خاموشی جذبہ عشق اور محبتِ رسول ﷺ پر غالب آجاتی ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے اُس فرمان مبارک کو بھول جاتے ہیں، جسے حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"قسم ہے اُس (ذات) کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے۔" (بخاری، جلد اول، کتاب الایمان حدیث 14)

آسیہ مسیح کیس

محترم قارئین! آخر میں ہم ننکانہ کی آسیہ مسیح کے کیس کا جائزہ لیں گے جو بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ 14 جون 2009ء کو ضلع ننکانہ صاحب کے ایک نواحی گاؤں اٹانوالی میں ایک عیسائی مذہب کی مبلغہ آسیہ مسیح قرآن مجید اور حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں نہایت نازیبا، دل آزار اور گستاخانہ کلمات کی مرتکب ہوئی۔ وفاقی وزیر اقلیتی امور شہباز بھٹی کی مداخلت کی وجہ سے کئی دن تک مجرمہ کے خلاف پرچہ درج نہ ہو سکا۔ وفاقی وزیر کی اس حرکت سے علاقہ بھر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ بالآخر 19 جون 2009ء کو آسیہ مسیح کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ C-295 کے تحت ایف آئی آر نمبر 326 درج کر لی گئی اور مجرمہ کو گرفتار کر کے حفاظتی اقدام کے طور پر ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ منتقل کر دیا گیا۔

اِس کیس کی تفتیش ایک نیک اور دیانت دارانہ شہرت رکھنے والے افسر سید امین بخاری ایس پی شیخوپورہ نے کی اور 29 جون 2009ء کو ضابطہ فوجداری کی دفعہ 161 کے تحت آسیہ مسیح کا بیان ریکارڈ کیا۔ سید امین بخاری نے نہایت جانفشانی، غیر جانبداری اور

شفاف طریقے سے اِس کیس کے تمام پہلوؤں کی مکمل تفتیش کرتے ہوئے آسیہ مسیح کو واقعی ملزم قرار دیتے ہوئے اپنی رپورٹ میں لکھا "ملزمہ آسیہ مسیح کا حضور ﷺ کی شان میں اور قرآن مجید سے متعلق گستاخانہ باتیں کرنا ثابت ہوا ہے۔ ملزمہ نے تمام باتیں نہ صرف تسلیم کیں ہیں بلکہ اپنی غلطی کی معافی بھی مانگی ہے۔"

اس مقدمے کی سماعت ایڈیشنل سیشن جج ننکانہ جناب محمد نوید اقبال کی عدالت میں ہوئی۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک اِس مقدمے کی سماعت ہوتی رہی۔ 8 نومبر 2010ء کو اِس مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے ایڈیشنل سیشن جج نے جرم ثابت ہونے پر مجرمہ آسیہ مسیح کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ C-295 کے تحت سزائے موت کا مستحق قرار دیتے ہوئے اپنے فیصلے میں لکھا "نہ تو مجرمہ خاتون نے اپنی صفائی میں کوئی شہادت پیش کی اور نہ ہی دفعہ (2)340، ضابطہ فوجداری کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات غلط ثابت کیے۔ استغاثہ نے اس مقدمہ کو کسی شک وشبہ سے بالاتر ثابت کردیا ہے۔

تمام گواہان استغاثہ نے استغاثہ کے موقف کی متفقہ اور مدلل انداز میں تائید و تصدیق کی ہے۔ گواہان استغاثہ اور ملزمہ، اُن کے بزرگوں یا اِن کے خاندانوں میں کسی دشمنی کا وجود نہیں پایا جاسکا۔ لہٰذا ملزمہ خاتون کو ناجائز طور پر اس مقدمہ میں ملوث کیے جانے کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ ملزمہ کو اس مقدمہ میں کوئی رعایت دیئے جانے کا بھی کوئی جواز موجود نہیں۔ لہٰذا میں ملزمہ آسیہ مسیح زوجہ عاشق مسیح کو زیر دفعہ C-295 تعزیرات پاکستان موت کی سزا کا مجرم ٹھہراتا ہوں۔"

ایڈیشنل سیشن کورٹ سے سزا کے بعد مجرمہ نے لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی۔ مگر 14 اکتوبر 2014ء کو لاہور ہائی کورٹ کے جج جناب جسٹس سید شہباز علی رضوی اور جناب جسٹس محمد انوار الحق نے سیشن کورٹ کی طرف سے دی گئی سزا کو بحال رکھا۔ جس پر مجرمہ آسیہ مسیح نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کردی جو تاحال زیر التواء ہے۔

پوپ کی فیصلے پر تنقید، قانون کی منسوخی ورہائی کا مطالبہ

واضح رہے کہ ایڈیشنل سیشن کورٹ ننکانہ کے فیصلہ کے خلاف دنیا بھر کی سیکولر لابیاں، نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیمیں اور عیسائی نمائندے میدان میں آگئیں۔ عیسائی پوپ بینڈکٹ سے لے کر گورنر پنجاب سلمان تاثیر تک سب نے آسیہ ملعونہ کے دفاع میں احتجاج کرتے ہوئے اس فیصلہ کی مذمت کی اور کہا کہ وہ ایسے کسی فیصلے پر عمل درآمد نہیں ہونے دیں گے۔ پوپ نے ویٹی کن میں منعقدہ خصوصی دعائیہ تقریب میں آسیہ مسیح کی رہائی کیلئے نہ صرف اُس کا نام لے کر دعا کرائی بلکہ صدر پاکستان سے بھی اپیل کی کہ آسیہ کی سزا معاف کی جائے۔ پوپ نے حکومت پاکستان سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ قانون توہین رسالت ﷺ کو فوری طور پر ختم کیا جائے۔

گورنر پنجاب کا غیر آئینی طرزِ عمل

پوپ کے بیان کے بعد 20 نومبر 2010ء کو گورنر پنجاب سلمان تاثیر عدالت سے مجرمہ قرار دی جانے والی خاتون سے ملنے اپنی بیٹیوں اور بیوی کو ساتھ لے کر فوراً ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ پہنچے۔ جہاں اُس نے سپرنٹنڈنٹ جیل شیخوپورہ کے وی آئی پی کمرہ میں آسیہ مسیح سے خصوصی ملاقات کی اور اُسے حکومتی سطح پر ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔

گورنر پنجاب سلمان تاثیر گورنر ہاؤس سے اپنے ساتھ آسیہ مسیح کو ملنے والی سزا کی معافی کی ٹائپ شدہ درخواست بھی لے کر گئے تھے۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ کسی سزا یافتہ مجرمہ کی معافی کی درخواست گورنر ہاؤس میں لکھی گئی ہو اور گورنر خود اُس درخواست پر مجرمہ سے دستخط کروانے کیلئے میڈیا کی ٹیم کے ہمراہ جیل پہنچے۔

انہوں نے میڈیا کی موجودگی میں آسیہ مسیح سے کہا یہ آپ کی طرف سے تحریر شدہ درخواست ہے، آپ اس پر دستخط کر دیں تا کہ میں بطور گورنر اِس درخواست کو صدر آصف علی زرداری تک پہنچا کر سزا کی معافی کو ممکن بنوا سکوں۔ سزا کی معافی کے بعد آپ کو یورپ کے کسی ملک بھجوا دیا جائے گا۔ اس موقع پر گورنر پنجاب نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آسیہ مسیح کو بے گناہ قرار دیا اور کہا کہ دنیا کی کوئی طاقت آسیہ مسیح کو سزا نہیں دے سکتی۔

اُنہوں نے کہا کہ قانون توہین رسالت ایک امتیازی، غیر انسانی اور کالا قانون ہے، جس کو ہر حالت میں ختم ہونا چاہیئے۔ اِس پریس کانفرنس کے ذریعے یورپی ممالک کو یہ پیغام بھی دیا گیا کہ حکومت آسیہ مسیح کو سزا دینے کے حق میں نہیں ہے اور حکومت ایسے تمام قوانین کو بھی ختم کر دے گی جو اقلیتوں کی ''آزادیٔ اظہار'' کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

جواب طلب سوالات

سوال یہ ہے کہ کیا سلمان تاثیر کے انتہائی غیر محتاط اور گستاخی کی حدوں کو چھوتے ہوئے طرزِ عمل کو تاویل کے پردوں میں لپیٹا جا سکتا ہے۔ پاکستان کی مختلف جیلوں میں ہزاروں افراد چھوٹے بڑے جرائم کی سزا بھگت رہے ہیں۔ اِن میں لاتعداد ایسے ہیں جن پر ابھی تک کوئی جرم ثابت نہیں ہوا۔ لیکن وہ سالہا سال سے جیل کی کال کوٹھری میں بند ہیں۔ اِن میں سینکڑوں غریب اور بے بس ولاچار خواتین بھی شامل ہیں۔ مگر سلمان تاثیر نے اِن سب کے ہوتے ہوئے ایک ایسی شاتم رسول عورت کا انتخاب کیوں کیا، جو قانون وانصاف کے پہلے مرحلے سیشن کورٹ سے سزا یافتہ قرار پا چکی تھی اور ابھی اُس کے پاس ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ جانے کی گنجائش موجود تھی۔ کیوں سلمان تاثیر کو صرف یہی عورت ستم رسیدہ، مظلوم اور قابلِ رحم نظر آئی جس پر توہین رسالت ﷺ کا الزام تھا۔

لہٰذا گورنر پنجاب کے اِس غیر آئینی طرزِ عمل سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلے قانون کو کس نے ہاتھ میں لیا۔؟ کس نے عدالتی عمل میں رکاوٹ ڈالی۔؟ کس نے عدالتی فیصلہ ماننے سے انکار کیا۔؟ کس نے آئین وقانون کی خلاف ورزی کی۔؟ کس نے ماورائے عدالت ایک حساس نوعیت کے کیس کو ہائی جیک کرنے کی کوشش کی۔؟ اور کس نے ایک گستاخ رسول کی حمایت کر کے توہین رسالت ﷺ اور توہینِ عدالت کا ارتکاب کیا۔؟ یہی آئین وقانون کی پاسداری تھی!

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی حفاظت کا حلف اٹھانے والے نے کس قانون اور کس ضابطہ اخلاق کے تحت توہین رسالت ﷺ کی سزا یافتہ مجرمہ کے ساتھ بیٹھ کر

پریس کانفرنس کرتے ہوئے اُسے معصوم اور بے گناہ قرار دیا اور عدلیہ کی طرف سے سنائی گئی سزا کو ظالمانہ اور قانون توہین رسالت ﷺ کو "کالا قانون" قرار دیا۔ آئین کی کونسی شق اور ملک کا کون سا قانون ایک صوبے کے گورنر کو اِس بات کی اجازت دیتا ہے؟ کیا ایک آئینی عہدے دار کی اِن خرافات کا کسی نے نوٹس لیا۔؟

نوٹس کیوں نہیں لیا گیا!

اُس وقت آئین وقانون کیوں حرکت میں نہ آئے جب سلمان تاثیر ایک گستاخ رسول کی حمایت کرتے ہوئے اللہ ﷻ کے قانون کا مذاق اُڑا رہے تھے اور پاکستان سمیت دنیا بھر کے لاکھوں عاشقان رسول ﷺ کی دل آزاری کررہے تھے۔ اِس سے بڑی توہین رسالت ﷺ اور توہین عدالت اور کیا ہوسکتی ہے۔؟ اگر اُس وقت وفاقی حکومت سلمان تاثیر کو اِس غیر آئینی اور غیر قانونی عمل سے روک دیتی، انہیں گورنری سے ہٹا دیتی یا انہیں اپنا بیان واپس لینے پر مجبور کرتی تو کوئی ممتاز قادری پیدا نہ ہوتا اور کسی ملک ممتاز قادری کو قانون ہاتھ میں لینے کی ضرورت پیش ہی نہ آتی۔

مگر افسوس ایسا نہیں ہوا۔ نہ ہی وفاقی حکومت نے اِس معاملے میں مداخلت کی نہ کسی عدالت نے گورنر کے اِس طرز عمل پر کوئی سوموٹو ایکشن لیا اور نہ ہی وزارت قانون نے خود مقدمہ درج کرایا، حالانکہ آئینی دفعات کے تحفظ کی ذمہ داری تو خود حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ مزید طرفہ تماشا یہ ہوا کہ جب گورنر کے خلاف ایک شہری نے توہین عدالت کی درخواست دائر کرنا چاہی تو مجاز افسر نے گورنر کو حاصل آئینی استثنیٰ (Amunity) کا حوالہ دے کر اُس درخواست کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔

جب چنگاریاں کاشت ہونگی تو شعلے ہی نکلیں گے

جب ریاست اپنے فرائض سے غفلت برتے اور ریاستی ذمہ داران عدالتی فیصلوں کے احترام اور پاسداری سے گریز کریں، آئین وقانون کا مذاق اڑائیں، مجرموں کی وکالت کریں، عوام کے مذہبی جذبات واحساسات سے کھیلیں اور اُس قانون کے خلاف

اعلان جنگ کریں جس کا مقصد ذات رسالتمآب ﷺ اور مقدس شخصیات کی تحریم وتکریم کے ساتھ ملک کا استحکام، معاشرے کی بقاء اور فرد کا تحفظ وسلامتی ہو تو پھر غازی علم دین اور ممتاز قادری جیسے لوگوں کو پیدا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا ہے۔

جب ایک ذمہ دار صوبائی سربراہ کی جانب سے ایک ایسے قانون کو ''کالا قانون'' کہا جائے گا جس سے مسلمانوں کا ایمانی اور جذباتی لگاؤ ہو اور اٹھتے بیٹھتے اُس قانون کا تمسخر اڑایا جائے تو صرف چنگاریاں ہی کاشت ہونگی اور شعلے ہی اگلیں گے۔

جلتی پر مزید تیل ڈالنے کی کوشش

اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے 30 نومبر 2010ء کو ملک کے جید علماء کرام نے قانون توہین رسالت ﷺ کو ''کالا قانون'' کہنے اور ملعونہ آسیہ مسیح کی بے جا حمایت وسرپرستی کرنے پر سلمان تاثیر کو گستاخ رسول قرار دیتے ہوئے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ اسی دن پیپلز پارٹی کی رکن قومی اسمبلی وسابق وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات شیری رحمان نے قانون توہین رسالت ایکٹ کو ختم کرنے کا بل اسمبلی سیکرٹریٹ میں جمع کرایا۔

جبکہ اگلے روز صدر پاکستان آصف علی زرداری نے وفاقی وزیر اقلیتی امور شہباز بھٹی کی سربراہی میں اراکین اسمبلی پر مشتمل 9 رکنی کمیٹی تشکیل دی جو قانون توہین رسالت کو ختم کرنے کے حوالے سے ایک ماہ کے اندر حکومت کو اپنی سفارشات پیش کرے گی۔ یہ صورتحال اور بھی تشویشناک تھی، مسلمانان پاکستان پہلے ہی گورنر پنجاب کے طرز عمل سے رنجیدہ تھے، مزید قومی اسمبلی میں توہین رسالت ایکٹ کی منسوخی کے بل اور ایک عیسائی اقلیتی وزیر کی کی سربراہی میں قانون توہین رسالت کے خاتمہ کیلئے 9 رکنی کمیٹی کے قیام نے انہیں اور بھی کبیدہ خاطر کردیا۔

ممتاز قادری کا ردِعمل جذبۂ ایمانی کا مظہر

ملک میں ایک ہنگامہ وشورش مچا ہوا تھا۔ مگر گورنر، ایوان صدر وحکومتی ذمہ داران میں سے کوئی بھی عوامی ردعمل وعاشقان مصطفیٰ ﷺ کے جذبات کو خاطر میں نہ لایا۔ اور بالآخر

وہ دن آ گیا جب پاکستان کے آئین و قانون سے وفاداری کا حلف اٹھانے والے ایک سپاہی اور گورنر کے محافظین میں شامل ملک ممتاز حسین قادری نے جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر گورنر پنجاب کو قانون ناموس رسالت کو ''کالا قانون'' کہنے کے جرم میں 4 جنوری 2011ء کو کوہسار مارکیٹ اسلام آباد کے قریب فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔

غازی ممتاز حسین قادری نے موقع پر خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ گرفتاری کے وقت وہ حیران کن حد تک پرسکون اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔ اُنہوں نے ابتدائی تحقیقات میں اعتراف کیا کہ

''گورنر پنجاب نے قانون توہین رسالت کو ''کالا قانون'' قرار دیا تھا، ایسا کہنا شان رسالت مآب ﷺ میں بدترین توہین کے مترادف ہے۔ چونکہ گستاخ رسول کی سزا موت ہے۔ سلمان تاثیر گستاخ رسول تھا۔ اُس نے قانون توہین رسالت ﷺ کے تحت عدالت سے سزا پانے والی ملعونہ آسیہ مسیح کو بچانے کا عندیہ دے کر خود کو گستاخ رسول ثابت کر دیا تھا۔ اس پر میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ مجھے اپنے فعل پر ہرگز کوئی افسوس اور ندامت نہیں بلکہ میں خوش اور مطمئن ہوں اور خواہش ہے کہ سرکار ﷺ مجھے بس اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ موت اور زندگی میں کوئی فرق نہیں۔''

گورنر کے طرزِ عمل نے عاشق رسول ﷺ کو مشتعل کیا

حقیقت یہ ہے کہ ملک ممتاز حسین قادری ناموسِ رسالت قانون ﷺ کے بارے میں سلمان تاثیر کے موقف سے مشتعل ہوئے تھے۔ یہ ایک فطری عمل ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی شان اقدس میں توہین کسی مسلمان کو سب سے زیادہ مشتعل کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر توہین رسالت کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک مسلمان کیلئے غیرت کے حوالے سے یہ سب سے زیادہ اہم بات ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اشتعال اور غیرت کی بنیاد پر ہونے والے قتل کے واقعات میں عدالتیں سزائے موت

نہیں دیتی ہیں۔ مگر غازی ملک ممتاز حسین قادری کیس میں اس کلیہ سے صرف نظر کیا گیا۔

جانبدارانہ عدالتی کاروائی

غازی ملک محمد ممتاز قادری کے خلاف درج شدہ مقدمہ کی جانبدارانہ اور حکومتی دباؤ کے تحت تفتیش مکمل ہونے کے بعد مقدمہ کا چالان انسداد دہشت گردی عدالت نمبر 2 راولپنڈی اسلام آباد میں پیش ہوا۔ جہاں پر انسداد دہشت گردی عدالت کے جج پرویز علی شاہ نے قانون وانصاف کے تقاضے پورے کیے بغیر، کئی گواہان مقدمہ کو طلب کیے بغیر اور غازی صاحب کے وکیلوں کو جوابی بحث کا موقع دیئے بغیر یکم نومبر 2011ء کو دہشت گردی ایکٹ اور قتل کے جرموں میں غازی ممتاز حسین قادری کو علیحدہ علیحدہ (دوبار) سزائے موت سنادی۔

غازی صاحب کے وکلاء جسٹس (ر) میاں نذیر اختر، چوہدری غلام مصطفےٰ، طاہر سلطان کھوکھر ایڈووکیٹس سپریم کورٹ و دیگر نے یکم اکتوبر 2011ء کے انسداد دہشت گردی عدالت 2 راولپنڈی کے اس غیر منصفانہ فیصلہ کے خلاف اسلام آباد ہائی کورٹ میں کریمنل اپیل نمبر 90/2011 دائر کی۔ اسلام آباد ہائی کورٹ نے 9، مارچ 2015ء کو اپیل جزوی طور پر منظور کرتے ہوئے دہشگردی کی دفعات ختم کر کے دہشت گردی ایکٹ کے تحت دی جانیوالی سزائے موت منسوخ کردی جبکہ قتل کی دفعات کے تحت سزائے موت بحال رکھی۔

اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف غازی ممتاز حسین قادری کی طرف سے سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل دائر کرنے کی درخواست نمبر 197/15 دائر کی گئی۔ 14، مئی 2015ء کو سپریم کورٹ کی طرف سے درخواست منظور ہونے پر اپیل نمبر 210/2015 دائر ہوئی۔ جو 5، اکتوبر 2015ء کو سماعت کے لئے پیش ہوئی۔ سپریم کورٹ بنچ نے انتہائی عجلت کے ساتھ اپیل کی سماعت کی اور غازی ممتاز حسین قادری کے وکلاء کو بحث کا پورا موقع دیئے بغیر نامکمل سماعت کے بعد مورخہ 7، اکتوبر 2015ء کو مختصر

فیصلہ سناتے ہوئے اپیل مسترد کردی اور انسدادِ دہشت گردی عدالت نمبر 2 راولپنڈی کا فیصلہ بحال کردیا۔

غازی کیس کا ایک اہم نکتہ

چنانچہ غازی ممتاز حسین قادری کی طرف سے سپریم کورٹ کے اس عاجلانہ فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست زیر آرٹیکل 188 سپریم کورٹ میں دائر کی گئی اور شہید کے وکلاء سابق جسٹس خواجہ محمد شریف اور جسٹس نذیر اختر غازی نے صدرِ مملکت کو خط لکھ کر اس نکتہ کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی کہ گورنر اپنے منصب اور عہدے کے لحاظ سے دستور اور قانون کا محافظ ہوتا ہے، اگر وہ قانون کی دھجیاں بکھیرے تو اس پر کوئی قدغن لگانے والا نہیں ہوتا۔ ایسے میں اگر وہ ناموس رسالت ﷺ کے خلاف کچھ کہے تو ایک مسلمان کے لیے کون سا راستہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس نکتے کو عدالتوں میں صحیح طرح سے زیرِ غور نہیں لایا گیا، لہٰذا اس کیس پر نظرِ ثانی کا حکم دیا جائے۔

لیکن حسب توقع ارباب حل وعقد نے اس جانب کوئی توجہ نہیں دی اور نظر ثانی کی اس درخواست کی سماعت و فیصلہ سے قبل ہی عدلیہ اور حکومت کے گٹھ جوڑ سے 9 فروری 2016ء کی صبح خفیہ طور پر ایک عوامی ہیرو کا درجہ پانے والے ملک ممتاز حسین قادری کو نہایت عجلت میں سزائے موت دے کر شہید کر دیا گیا۔ اس طرح پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری اسلامی دنیا کی تاریخ میں گستاخ رسول کو جہنم واصل کرنے والے مجاہدِ ناموسِ رسالت ﷺ کے عدالتی قتل کی پہلی مثال قائم ہوئی۔

غازی ہی واحد مجرم، کشمیر سنگھ، ریمنڈ ڈیوس بیگناہ

حالانکہ ملک کی جیلوں میں سینکڑوں کی تعداد میں سزائے موت کے ایسے قومی مجرم آج بھی موجود ہیں جن کی رحم کی اپیلیں مسترد ہو چکی ہیں اور عوامی دباؤ بھی اُن کو سزائے موت دینے کے حق میں ہے۔ لیکن حکومت وقت ذاتی مصلحتوں اور بیرونی دباؤ کی وجہ سے سالہا سال سے ان کی سزاؤں پر عمل درآمد کرنے سے گریزاں رہی ہے۔ جس کی عملی مثال

ملک عزیز کو دولخت کرنیوالے بھارتی جاسوس ''کشمیر سنگھ'' کی ہے۔

جسے 1973ء میں راولپنڈی پولیس نے ایک ساتھی سمیت گرفتار کیا تھا اور تفتیش کرنے پر اُس نے برملا اعتراف کیا تھا کہ وہ ایک انڈین جاسوس ہے اور پاکستان میں بدامنی پھیلانے اور ملک کو توڑنے کے منصوبے پر مسلسل کام کر رہا ہے۔ اُس کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلا اور اسے سزائے موت سنائی گئی۔ لیکن 37 سال تک پاکستانی جیلوں میں رہنے کے باوجود اُسے پھانسی نہیں دی گئی۔ واضح رہے کہ یہ وہی کشمیر سنگھ تھا جس کی رحم کی اپیل بھٹو حکومت کے صدر مملکت چوہدری فضل الٰہی سے لے کر جنرل ضیاء الحق، غلام اسحاق خان، وسیم سجاد، سردار فاروق احمد خاں لغاری، پھر مشرف کے پہلے دورِ حکمرانی تک مسترد ہوتی رہی۔

مگر 2008ء کے عام انتخابات کیلئے مشرف کی عبوری حکومت میں اُس وقت کشمیر سنگھ کی لاٹری نکل آئی۔ جب پاکستان میں انسانی حقوق کے نام نہاد ٹھیکدار انصار برنی اور عاصمہ جہانگیر نے انڈین حکومت سے ساز باز کر کے معروف ٹی وی آرٹسٹ عتیقہ اُوڈھو کے ذریعۓ پرویز مشرف کو رام کرلیا۔ اور 3، مارچ 2008ء کی رات اس قومی مجرم کو کوٹ لکھپت جیل لاہور کی موت کی کوٹھڑی سے نکال کر سرکاری پروٹوکول کے ساتھ واہگہ بارڈر پر انڈیا کے حوالے کردیا گیا۔

جہاں انڈین آرمی، عوام اور کشمیر سنگھ کے رشتہ داروں نے اُس کا اس طرح استقبال کیا جس طرح ایک قومی ہیرو کا استقبال کیا جاتا ہے۔ صوبائی وزیر انفارمیشن بکرم سنگھ منجیتا اور ہوشیار پور کے ایم۔ پی او نیش رائے کھنہ اور دیگر کئی سرکاری عہدیداروں نے اسے خوش آمدید کہا اور اُس پر پھولوں کی بارش کی اور اُسے رہائی دلوانے میں اہم کردار ادا کرنے والے انصار برنی کو بھارت کے دورے کی دعوت بھی دی۔ ادھر انڈیا میں جاتے ہی کشمیر سنگھ نے پریس کانفرنس کی اور اعلان کیا کہ وہ بھارتی جاسوس تھا اور آئندہ بھی موقع ملا تو ملک کی خدمت کے لیے ہر ممکن کام کرے گا۔ اس نے کہا کہ وہ پاکستان میں فوجی تنصیبات کا کھوج

لگانے اور ٹینکوں اور گنوں کی ساخت کا اندازہ کرنے اور فوجی انداز بھانپنے کیلئے پاکستان گیا تھا۔

اگرچہ انصار برنی کو پہلے ہی علم تھا کہ وہ ایک خطرناک بھارتی جاسوس کو ملکی عزت ووقار کی قیمت پر آزادی دلوار ہا ہے۔ لیکن جب کشمیر سنگ نے انڈیا میں جاکر بانگ دھل اپنے جاسوس ہونے کا اعلان کر دیا تو انصار برنی نے ڈھٹائی سے کہنا شروع کر دیا کہ اس نے انسانی بنیادوں پر کشمیر سنگ کو رہائی دلوائی ہے اسے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں۔

ملکی سلامتی سے کھیلنے والے سزائے موت کے حق داروں کے "باعزت بری" کئے جانے کی دوسری مثال دن دیہاڑے دو بے گناہ شہریوں کو لاہور میں فائرنگ کر کے قتل کر دینے والے امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس کی ہے۔ جس کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرنے کے بعد اُسے منطقی انجام تک پہنچانے کے سب حکومتی دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے اور اُسے باعزت بری کر کے امریکی خوشنودی کا پروانہ حاصل کیا گیا۔

امریکہ میں متعین اُس وقت کے پاکستانی سفیر حسین حقانی نے ریمنڈ ڈیوس کی رہائی کے حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا تھا کہ "ریمنڈ ڈیوس کو اُس وقت کے ڈی جی انٹیلی جنس کی کوششوں سے رہا کیا گیا۔ ریمنڈ ڈیوس کے ویزہ کی کئی بار اسلام آباد میں تجدید کی گئی۔ وہ سی آئی اے کے در پردہ امریکی سفارتخانے کا ایک اہلکار تھا۔............ اس کا ابتدائی ویزہ اس سے پہلے جاری ہو چکا تھا جب انہیں ویزہ سے متعلق مسائل حل کرنے کا ٹاسک دیا گیا۔ اور جب ہم نے لاہور واقعہ کے بعد اس کا جائزہ لیا تو یہ بات سامنے آئی کہ امریکی سفارتخانے میں کام کرنے کے لئے اصل ویزہ جاری ہونے سے قبل اسلام آباد سے کلئیر کر دیا گیا تھا۔

قانون توہین رسالتﷺ پر عمل درآمد ایک سوالیہ نشان

اُمر واقعہ یہ ہے کہ حکومت نے موت کے قیدیوں کی سزائے موت پر عمل

درآمد سالہا سال تک معرضِ التوا میں رکھا ہوا ہے۔ جس کی عملی مثال توہین رسالت ﷺ کے اُن گستاخ مجرموں کی جنھیں اعلیٰ ترین عدلیہ سزائے موت کا حکم سنا چکی ہے لیکن تا حال ابھی تک کسی بھی سنائی گئی سزا پر عمل درآمد نہیں ہوسکا۔ 29 مارچ 2016ء کو کراچی سے شائع ہونے والے ایک مقامی روزنامے کی رپورٹ کے مطابق اِس قانون ''قانون توہین رسالت C-295'' کے نفاذ کے بعد سے اب تک شاتمان رسول ﷺ کے خلاف کئی سو مقدمات درج ہوئے۔

اِس مقامی روزنامے کی جائزہ رپورٹ کے مطابق 1986ء سے 2010ء کے دوران توہین رسالت ﷺ کے تحت درج ہونے والے مقدمات کی تعداد ''1274'' ہے۔ جبکہ 2013ء میں ''74'' اور 2014ء میں ''105'' مقدمات درج ہوئے، لیکن جون 2015ء تک ان میں مزید چار مقدمات کا اضافہ ہوا ہے۔ روزنامہ لکھتا ہے کہ جن مقدمات میں سزائے موت سنائی گئی ہے وہ سب تحفظ ناموس رسالت ﷺ قانون کی شق C-295 کے تحت توہین رسالت ﷺ کے مقدمات ہیں۔

اِس وقت سزائے موت پر عمل درآمد کا انتظار کرنے والے ملزمان میں اصغر، حضرت علی شاہ، صوفی اسحاق، عبدالستار، رفیق، ملک اشرف، آسیہ نورین بی بی، شفیق لطیف، لیاقت، شفیق، عبدالحمید، انور کینیتھ، وجاہ الحسن، آقا مرشد مسیح شامل ہیں۔ اِن میں سے آسیہ ملعونہ، انور کینیتھ، وجیہ الحق، عمر دراز، لیاقت علی سمیت گیارہ ملزمان نے اپنی سزاؤں کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیلیں دائر کر رکھی ہیں۔

اخباری رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں توہین رسالت ﷺ اور توہین قرآن مجید کے حوالے سے ایک اندازے کے مطابق عدالتوں میں چار ہزار سے زائد مقدمات زیر سماعت ہیں۔ ان مقدمات میں سب سے زیادہ تعداد پنجاب میں درج مقدمات کی ہے۔ جبکہ دوسرے نمبر پر خیبر پختونخوا، تیسرے نمبر پر سندھ اور چوتھے نمبر پر بلوچستان ہے۔ جس میں سب سے کم مقدمات درج کئے گئے ہیں۔

یہاں یہ اَمر بھی قابل توجہ ہے کہ توہین رسالت ﷺ کے مقدمات میں سب سے زیادہ یعنی 70 سے 80 فیصد کیسز میں مسلمان، دوسرے نمبر پر عیسائی اور تیسرے نمبر پر قادیانی ملوث پائے گئے ہیں۔ سب سے المناک بات یہ ہے کہ اس قانون کے تحت درج ہونے والے مقدمات میں کئی ملزمان ایسے ہیں جو ہمارے عدالتی نظام کی خامیوں اور کمزور شہادتوں کا سہارا لے کر ضمانتوں پر رہا ہوئے اور فرار ہوکر یورپی ممالک میں پناہ حاصل کر چکے ہیں۔ اِن میں گل مسیح، یونس شیخ، مارتھا بی بی، رمشا مسیح وغیرہ شامل ہیں۔ کچھ کو وفاقی حکومت کے احکامات کے تحت رہا کیا گیا۔ جبکہ مختار مسیح اور سموئیل مسیح کو جذبہ ایمانی سے سرشار پولیس اہلکاروں نے دوران مقدمہ ہی جہنم واصل کر دیا۔

نہایت ہی کربناک صورتحال

یہ کس قدر افسوسناک صورتحال ہے کہ وہ گستاخانِ رسول جو شان رسالتماب ﷺ میں دریدہ دہنی کا مظاہرہ کریں، عدالتیں انہیں مجرم قرار دیں، پھر بھی حکومت انہیں اُن کے خبیثانہ فعل کی سزا نہ دے اور وہ نہ صرف زندہ رہیں بلکہ اُن کے ساتھ معزز مہمان کا سا سلوک کرے، انہیں وی آئی پی پروٹوکول دے اور ساز باز کر کے یورپی ممالک روانہ کر دے جہاں اُنہیں سر آنکھوں پر بٹھایا جائے گا، شہریت پیش کی جائے گی اور گستاخانہ اور خبیثانہ فعل کی انجام دہی پر انعامات و ایوارڈز سے نوازا جائے گا۔ اس سے اِن گستاخان رسول کے نہ صرف حوصلے بلند ہوتے ہیں بلکہ وہ اسلام دشمن طاقتوں کی تائید وحمایت کے باعث مزید بے خوفی سے اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہیں اور بہ آسانی قانون توہین رسالت ﷺ 295-C کی گرفت سے نکل لاکھوں عاشقان رسول ﷺ کے دلوں کو چھلنی بھی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ توہین رسالت ﷺ، توہین قرآن اور شعائرِ اسلامی کی توہین کے مقدمات میں اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔

لمحہ فکریہ

اِس وقت زیادہ تر مقدمات سیشن کورٹس اور اینٹی ٹیرارسٹ کورٹس میں زیر

سماعت ہیں جبکہ بہت سے سزا یافتہ مجرموں کی سزاؤں پر عمل درآمد کی اپیلیں سپریم کورٹ میں پینڈنگ پڑی ہیں۔ ان میں کئی ایسی ہیں جن پر برسوں سے سماعت ہی شروع نہیں ہوسکی۔ ایک بین الاقوامی تنظیم کی جانب سے دیئے گئے اعداد و شمار کے مطابق 2015ء تک ہائی کورٹس نے 104 توہین رسالت ﷺ کے مقدمات کی سماعت کی جن میں 91 مقدمات کا فیصلہ سنایا گیا۔ لیکن اب تک قانون توہین رسالت ﷺ C-295 کے تحت کسی بھی سزا یافتہ مجرم کی سزا پر عمل درآمد نہیں ہوسکا ہے۔ جبکہ اِس کے برخلاف ایک شاتم رسول کی حمایت میں اسلام اور ملک کے مروجہ آئین وقانون کے خلاف طرز عمل اختیار کرنے والے گورنر پنجاب کے دل آزار رویئے پر مشتعل ہونے والے ایک عاشق رسول ﷺ کو حکومت سزا دینے میں دیر نہیں کرتی۔

کیا یہی انصاف اور قانون کی پاسداری ہے؟

یہ کیسا انصاف ہے جو آج تک ایک بھی سزا یافتہ گستاخ رسول کو کیفر کردار تک نہ پہنچا سکا، جو شاہ زیب خان کے قاتل شاہ رخ جتوئی اور زین کے قاتل مصطفیٰ کانجو کو سزا نہیں دے سکا؟ یہ کیسا انصاف ہے جو بھارتی جاسوس کشمیر سنگھ اور سربجیت سنگھ کی سزائے موت عمر قید اور عمر قید باعزت رہائی میں تبدیل کرسکتا ہے، مگر ممتاز قادری کی سزا میں تخفیف نہیں کرسکتا۔ یہ کیسا قانون ہے جو قاتلوں، غداروں اور ملک دشمنوں کو تو معاف کرسکتا ہے مگر ممتاز قادری کو تختہ دار پر چڑھانے کیلئے بے چین رہتا ہے۔

یہ کیسا نظام ہے جو اعلیٰ عدالتوں کی طرف سے سزا یافتہ مجرموں کے بارے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتا ہے۔ یہ کیسی آئین کی پاسداری ہے جو ممتاز قادری کی سزا کو تو حتمی نتیجے تک پہنچاتی ہے مگر اُس گستاخ رسول آسیہ مسیح کے کیس کی اپیل پر فیصلہ التوا میں رکھتی ہے جس کی بے جا حمایت سلمان تاثیر کے قتل کا سبب بنتی ہے۔

اگر حکومت اِن سزا یافتہ گستاخی کے مجرموں کو سزا نہیں دے سکتی اور اُن کے کیسوں کو التوا میں رکھ سکتی ہے تو پھر اُسے ممتاز قادری کو سزا دینے کی اتنی جلدی کیوں تھی۔؟

جس تیزی سے اعلیٰ عدلیہ نے ممتاز قادری کا کیس نپٹایا اور جس مستعدی سے حکومت نے ممتاز قادری کو تختہ دار پر لٹکایا، ایسی تیزی اُس نے بااثر قاتلوں، ملک دشمن جاسوسوں اور گستاخی کے مجرموں کو سزا دینے میں کیوں نہیں دکھائی۔؟ کیا یہی آئین وقانون کی حکمرانی ہے۔؟ کیا یہی قانون توہین رسالت ﷺ C-295 کا عملی اطلاق ہے۔؟

قانون کا نفاذ ہی نہیں اطلاق بھی ضروری ہے

ہمارا ماننا ہے کہ کسی قانون کا نفاذ عملی اطلاق کا متقاضی ہے۔ جب تک حکومت کسی قانون میں نافذ کی گئی سزا پر عمل درآمد کو یقینی نہیں بناتی، اُس وقت تک ملک، قوم اور معاشرے کو اُس قانون کے ثمرات حاصل نہیں ہوسکتے۔ اگر قانون توہین رسالت C-295 کے تحت سزا یافتہ گستاخان رسول کو اُن کے خبیثانہ فعل کی سزا نہیں دی جائے گی تو اُن کے حوصلے ہی بلند ہونگے اور وہ یہ گستاخانہ اور خبیثانہ فعل بار بار کرتے رہیں گے۔

لہٰذا قانون توہین رسالت ﷺ C-295 کے نفاذ کا عملی تقاضہ یہ ہے کہ حکومت اِن گستاخان رسول کی سزاؤں پر بھی عمل درآمد کو یقینی بنائے جنھیں عدالت عالیہ مجرم قرار دے چکی ہے اور جو برسوں سے جیلوں میں وی آئی پی پروٹوکول کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ ہم ارباب اقتدار سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ اور تحفظ ختم نبوت ﷺ کے سلسلہ میں تمام آئینی وقانونی تقاضوں پر فی الفور اور مکمل عمل درآمد کو یقینی بنائے۔ ساتھ ہی توہین رسالت ﷺ کے جرم میں عدلیہ کی جانب سے تمام سزا یافتہ مجرموں کی سزاؤں پر فوری طور پر عمل درآمد کرے۔ یہی قانون توہین رسالت ﷺ C-295 کے نفاذ کا عملی تقاضہ ہے اور اسی میں آئین وقانون کی بالادستی، ریاستی و معاشرتی استحکام اور ملک کی نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کا راز مضمر ہے۔

نوٹ :اس مضمون کی تیاری میں جناب محمد متین خالد کی کتاب ''توہین رسالت کے مرتکبین کے خلاف سیشن کورٹ کے یادگار فیصلے'' جناب محمد اسمٰعیل قریشی کی کتاب ''ناموس رسالت ﷺ اور قانون توہین رسالت'' جناب ظفر جبار چشتی کی کتاب ''پروانۂ شمع رسالت غازی ملک ممتاز حسین قادری'' جناب صادق علی زاہد کی کتاب ''مقدمہ شہید ناموسِ رسالت غازی ملک ممتاز حسین قادری شہید'' قومی اخبارات کی رپورٹس اور انٹرنیٹ پر دستیاب مواد سے استفادہ کیا گیا ہے۔

حرمت دین محمد ﷺ کے نگہبانو! اٹھو
شعلہ سامانی دکھاؤ، شعلہ سامانو! اٹھو

فتنہ یہ اٹھا ہے ہنگامہ اٹھانے کے لیے
مشعلِ نورِ محمد ﷺ کو بجھانے کے لیے

یہ بلا آئی ہے تم سب کو جگانے کے لیے
غیرت دینی تمہارے آزمانے کے لیے

تم ہو ناموسِ محمد ﷺ کے نگہباں یاد ہے
تم مسلماں ہو، مسلماں ہو، مسلماں یاد ہے

پر محمد ﷺ کی جہاں توہین ہو کٹ جائیں گے
وہ قدم دوزخ میں جائیں گے اگر ہٹ جائیں گے

تم بھی اس جانِ دو عالم سے وفاداری کرو
اس کے دشمن سے کھلا اظہار بیزاری کرو

اف یوں ہو، توہین محمد ﷺ اور پھر ملک ہمارا ہو
کیوں نہ جگر ہو ٹکڑے ٹکڑے اور دل پارہ پارہ ہو

صبر کی حد ہوتی ہے کوئی کب تک آخر صبر کریں
اس بے شرمی کے جینے سے بہتر ہے ہم ڈوب مریں

(سید امین گیلانی)

جناب محمد احمد ترازی کی کتاب
”قانونِ توہینِ رسالت ۔۔ نفاذ سے اطلاق تک“
پر

منظوم تبصرہ

جنابِ ترازی نے لکھی کتاب بہ شانِ جنابِ رسالت مآب
نہیں اس مقالے کی کوئی نظیر نہیں اس مقالے کا کوئی جواب
مبارک ہو احمد ترازی تمہیں یہ تحریر پیاری ، یہ پیاری کتاب
کئی لوگوں کی اصلیت کھول دی کئی چہرے تم نے کیے بے نقاب
وہ پیچھے ہٹیں کیسے حق گوئی سے ہے ساغر میں جن کے حرم کی شراب
ہیں بعدِ خدا سب سے افضل نبی یہی ہے شریعت کا لبِّ لباب
حقیقت میں وہ واجب القتل ہیں جو ہیں شاتمانِ رسالت مآب
مسلمان کب ہیں منافق ہیں وہ جو ایسے لعینوں کے ہیں ہمرکاب
مگر کیا کیا جائے اس ملک میں ہے اہلِ حکومت کی مٹی خراب
جو حاکم ہیں وہ ہیں غلامِ یہود وہ کب چاہیں گے شر کا ہو سدِّ باب
حفاظت میں ہیں دشمنانِ رسول مگر اہلِ ایماں ہیں زیرِ عتاب
کہاں پاسداری ہے قانون کی کہاں ہے عمل بر حدیث و کتاب
بس اب ہاتھ اُٹھا کر دعا کیجیے کہ دیتا ہے رب بے حد و بے حساب
عطا ہو مصنف کو خیرِ کثیر میسّر ہوں ناشر کو اجر و ثواب
بلاؤں سے ہر وقت محفوظ رکھ رہے ان پہ دائم کرم کا سحاب
تری رحمتوں کا ہو ہر دم نزول ہوں ہستی میں ہر موڑ پر کامیاب

”الٰہی بحقِ بنی فاطمہ“
دعا قلبِ حافظ کی ہو مستجاب

نتیجۂ فکر
حافظ عبد الغفار حافظ

فدائیانِ ختمِ نبوّۃ پاکستان کراچی

برائے خط و کتابت: پوسٹ بکس نمبر 17650 کراچی 75300
www.khatm-e-nabuwwat.com